۱۸۵۷ اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ

ڈاکٹر محمد ارشد

شعبۂ اردو، دیال سنگھ کالج، لودھی روڈ، دہلی یونیورسٹی، دہلی

برطانوی اقتدار کے خلاف رئیس المجاہدین حضرت سید احمد شہید اور ان کے تمام رفقاء کار نے اسلامی جہاد کا پرچم بلند کیا اور ہندوستان کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہزاروں افراد کے دلوں میں دین کی عظمت اور وطن کی حفاظت کے لیے جان و مال کی قربانی اور سرفروشی کا ولولہ پیدا کیا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ۱۸۵۷ کے آنے سے قبل سیاسی و سماجی حالات میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ تہذیبی و معاشرتی ماحول بگڑنے لگی۔ ہر چہار جانب انگریزوں کی پالیسی کے مطابق ہندوستان کا بیشتر حصہ انگریزوں کی سلطنت میں شامل کیا جانے لگا۔

دہلی کی تاریخ کسی سے مخفی نہیں کیونکہ میر کی زبان میں ”یہ نگر سومرتبہ لوٹا گیا“ دہلی پچھلے ایک صدی سے حملوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ کبھی نادرشاہ تو کبھی احمد شاہ ابدالی، کبھی روہیلے نے تو کبھی مرہٹہ و جاٹوں نے دہلی کو ہمیشہ تاراج کیا۔۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے مغل حکمراں سے اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ ان کو تحفظ فراہم کریں گے لیکن مالی اور انتظامی امور کے سارے اختیارات ضبط کر لیے۔ اکبر شاہ ثانی کی حکومت پالم اور بہادر شاہ ظفر کی لال قلعے تک محدود تھی اور ان کی زندگی پنشن پر گزر رہی تھی۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مفتی صدرالدین آزردہ اور ان کے معاصرین غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، صہبائیؔ اور شیفتہؔ وغیرہ دنیائے علم و ادب کے مشاہیر تھے۔ اُن سبھوں کے محور و مرکز بہادر شاہ ظفر تھے۔ اس لیے بادشاہ کے ارد گرد رونق ضرور تھی لیکن اندر ہی اندر یہ سکون، طوفان کی شکل میں بہت جلد ابھرنے والا تھا۔ غالب بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے معاصر شعراء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اے کہ راندی سخن از نکتہ سریانِ عجم
چہ بمامنت بسیا نہی از کم شاں
ہندراخوش نفانند سخنور کہ بود
باد درخلوت شاں مشک فشاں ازدم شاں
مومنؔ و نیّرؔ و صہبائیؔ و علویؔ و آنگاہ
حسرتیؔ، اشرفؔ و آزردہؔ بود اعظم شاں
غالبؔ سوختہ جاں گرچہ نیرّزد بہ شمار
ہست دربزمِ سخن ہم نفس و ہمدم شاں

مفتی صدرالدین آزردہ اکبر شاہ ثانی کے عہد (۱۷۶۰۔۱۸۳۷) میں دہلی کے چتلی قبر کے قریب حویلی عزیز آبادی میں ۱۷۸۹ میں پیدا ہوئے۔ آبا و اجداد کشمیر کے اہلِ بیت اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ آزردہ کے والد مولانا لطف اللہ کشمیری ذی علم اور ذی حیثیت اور دہلی میں اپنے وقت کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ فیضانِ ولی اللہی اور شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، مولانا فضلِ امام خیر آبادی کے

شاگرد رشید آزردہ اپنے وقت کے بہت جید، تبحر عالم تھے۔ انہیں تمام علوم اسلامیہ، منطق و فلسفہ، عصری علوم ادبیات و ریاضیات کے علاوہ منقولات و معقولات پر خوب مہارت تھی۔ عبدالرحمان پرواز اصلاحی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"اسی دورِ زوال میں مفتی صدرالدین خاں آزردہ جیسے صاحبِ فضل و کمال پیدا ہوئے۔ ان کی شخصیت مجموعۂ اوصاف ہی نہیں گوناں گوں محاسن کا گنجینہ تھی۔ عالم با عمل ہی نہیں بلکہ فقیہ بے مثل بھی تھے۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضت و اُقلیدس، معانی و بیانی، ادب و انشاء، فقہ و حدیث، تفسیر و اصول میں فرد فرید اور نادرۂ عصر تھے۔ علماء کی مجلس میں صدر نشین، شعراء کے جمگھٹے میں میر مجلس، حکام کے جلسوں میں مؤقر و ممتاز، حکام رس وذی اقتدار ہی نہیں، بلکہ بے کسوں اور محتاجوں کے ملجاوماویٰ، طالبانِ علم و فن کے استاد ہی نہیں بلکہ سرپرست و مربی بھی تھے۔" (مفتی صدرالدین آزردہ۔ عبدالرحمان ص ۹)

۱۸۵۷ء سے قبل دہلی مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا محور و مرکز اور علماء و مشائخ اور عصری علم و ادب کی آماجگاہ تھی۔ علم و دانش کے مابین مفتی صدرالدین آزردہ کے مشاغل درس و تدریس، فتوے کا عمل، مدارس کے امتحانات میں ممتحن، قلعے معلی کی حاضری اور حکومتی سطح پر صدارت کے فرائض انجام دیتے تھے مزید اکابرِ علماء و فضلائے خاص دہلی و نواحِ دہلی آپ کے مکان پر حاضر ہوتے تھے۔ طلباء واسطے تحصیلِ علم، اہلِ دنیا واسطے مشورۂ معاملات، ادبا و انشاء پرداز بغرضِ اصلاح اور شعراء واسطے مشاعرہ کے آتے تھے۔

دوسری جانب انگریز اس بات سے واقف تھے کہ دہلی علم و ادب کا مرکز ہے اس لیے یہاں کے بااثر علماء و فضلاء میں سے ہی انگریزی ملازمت کے لیے 'صدر امین' اور 'صدر الصدور' یعنی آج کی اصطلاح میں جج بنا جائے تو زیادہ موزوں ثابت ہو گا۔ اس کے لیے انہوں نے دہلی میں مفتی صدرالدین آزردہ کو ۱۸۲۷ء صدر امین اور مفتیٔ دہلی کے فرائض انجام دینے کے لیے چنا اور مولانا فضلِ امام خیر آبادی کو صدر الصدور بیایا گیا، ۱۵/ جون ۱۸۴۴ء میں آزردہ کو 'صدر امین' سے 'صدر الصدور' بنایا گیا۔ چند ہی دنوں میں آپ کے عدل و انصاف کا شہرہ پورے ہندوستان میں پھیل گیا اور چہار جانب آپ کے عدل کی مثال دی جانے لگی۔ ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ آزردہ کے دوست مرزا غالب بہت مقروض ہو گئے، قرض خواہوں نے غالب پر مقدمہ درج کرایا۔ آزردہ کی عدالت میں جب غالب کی پیشی ہوئی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

یہ سنتے ہی آزردہ مسکرائے اور اپنے پاس سے قرض خواہوں کو قرض کا روپیہ ادا کر دیا۔ اس طرح آزردہ بڑی خاموشی اور احترام مزاجی سے مدد گاروں کی مدد کر دیتے تھے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ آزردہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"جھگڑوں کے فیصلہ کرنے پر مامور ہیں جو منصبِ اعلیٰ ہے جس کو اہلِ فرنگ کی اصطلاح میں صدر الصدور کہتے ہیں۔ فی زمانہ ان کی سلطنت میں اہل ہند کے لائق اس سے بڑا کوئی عہدہ نہیں ہے۔ مولانا نے اس دنیوی کسبِ معاش کے ذریعے کو دینی ثواب حاصل کرنے کا وسیلہ بنا رکھا ہے کیونکہ ان کی تمام تر کوشش مخلوق کی حاجت روائی میں صرف ہوتی ہے۔ ان کے انصاف کی برکت ہر خاص و عام پر محیط ہے" (گلشن بیخار ص ۱۳)

ان تمام مشاغل کے باوجود مفتی صدرالدین آزردہ اور ان کے رفقاء کہیں نہ کہیں انگریزوں کے خلاف اور بہادر شاہ ظفر کے ہمدرد اور غم گساروں میں تھے کیونکہ مغلیہ خاندان سے دیرینہ

تعلق اور ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کی ملازمت کے باوجود بادشاہِ سلامت کے خزانہ سے آزردہ کو ان کے منصب کے اعتبار سے دو روپے آٹھ آنے ملتے تھے جیسے وہ تبرک کے طور پر لیتے اور اس کی قدر کرتے تھے۔

یہ بات درست ہے کہ انگریز بذات خود ملک پر قابض نہیں ہوئے بلکہ مغلوں کی نا اہلی اور انگریزوں کی شاطرانہ چالوں کا عمل دخل تھا۔ جس کے سبب ملک کے دیگر حصوں پر باری باری وہ قابض ہوتے چلے گیے۔ ہندوستانیوں کی توہین، ان پر ظلم و بربریت کا قہر اور دل آزاری کا سلسلہ دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دہلی پر بھی قابض ہونے کے لیے فرنگیوں کی اندرونی طور پر تیاریاں زوروں پر چل رہی تھیں۔ اس کے اثرات جگہ بجگہ دِکھ رہے تھے جس سے یہاں کے سربر آوُردہ لوگوں نے محسوس کیا کہ مذہبی شعائر، عزت و آبرو، جان و مال کا تحفظ اور سماجی و معاشرتی زندگی بری طرح متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ انگریزوں کے ناپاک عزائم کے خلاف دن بدن تدبیریں سوچی جانے لگی۔ ان میں فضلِ حق خیر آبادی، مولانا امام بخش صہبائی، نواب مصطفیٰ ' خاں شیفتہ، نواب ضیاء الدین نیّر رخشاں، مولوی محمد باقر کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ وغیرہ بھی شامل تھے لیکن یہ بات بھی ذہن نشیں ہونی چاہیے کہ آزردہ انگریزی صدرالصدور ہوتے ہوئے کسی محاذ پر پیش پیش تو نہیں رہے البتہ پسِ پشت ہمیشہ مجاہدینِ آزادی کی مدد کرتے رہے۔ ایک مرتبہ جب انہیں مجاہدین کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ عدالتی اجلاس برخاست کر کے چلے گئے اور ان کی خدمت گزاری میں لگ گئے۔ انگریزوں کا سب سے خطرناک دشمن 'مجاہدین' تھا اور یہ گروہ آزردہ کے درِ دولت پر رہا کرتے تھے کہ اچانک ایک دن ۹ / اگست ۱۸۵۷ کو انگریزوں کو خبر ملی کہ آزردہ کے گھر پر ستّر جہادی مقابلے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو بھیجا لیکن الٹے پاؤں' واپس آنا پڑا کیونکہ "انقلابیوں کا گروہ اور انقلابی فوج آزردہ صاحب سے اس درجہ متاثر تھی کہ آزردہ صاحب کی خاموش دلچسپی انقلابی سرگرمیوں سے وابستہ تھی۔

آزردہ انگریزوں کی ملازمت کرتے ہوئے بھی وہ انگریزوں کی صف میں شامل نہیں تھے بلکہ بہادر شاہ کے دربار سے منسلک رہنا پسند کرتے تھے۔

انگریزوں کے ظلم و زیادتی نے ہندو مسلم کو دوش بدوش رہنے پر مجبور کر دیا کیونکہ برطانوی اقتدار کی ناانصافی اور بے ایمان کے کارنامے اظہر من الشمش کی طرح ہندوستانیوں پر عیاں ہو چکے تھے۔ اِن فِلڈ رائفلوں کا استعمال جس میں کارتوس کو چربی سے چکنا کیا جاتا تھا۔ یہ چربی سور یا گائے کی ہوتی تھی۔ ہندوستانی فوجیوں میں اس کے برخلاف ردّ عمل شروع ہوا۔ اسی موقع پر ایک گروہ نے گائے کی قربانی یا ذبیحہ پر پابندی لگانے کی کوشش کی تو مولانا شاہ احمد سعید جو برگزیدہ ہستی تھی۔ ان مخالفین سے جہاد کے لیے جامع مسجد کے سامنے جہاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگ جمع ہو گیے۔ اس کا علم بادشاہ کو ہوا تو انہوں نے مفتی صدرالدین آزردہ کے ذریعے ایک تحریر مولانا شاہ احمد سعید کو بھجوایا جس میں آزردہ کا یہ شعر بھی درج تھا۔

رخ متاب اے یار گر پیشت نیاز آرد کسے
نازنیں آں بہ کز و ہرگز نیاز آرد کسے

مولانا نے جہاد کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی دوران حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ جنرل بخت خاں جب دہلی آئے تو انہوں نے

شہر کے عمائدین اور علماء کو شاہ جہانی جامع مسجد میں جمع کیا اور انگریزی سامراج کے خلاف مسلمانوں میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کی غرض سے جہاد کے لیے تاریخی فتویٰ مرتب کیا گیا، جس میں شہر کے مشاہیر علماء کرام کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ نے بھی دستخط کیے۔

مگر افسوس کہ ۱۸۵۷ کی تحریکِ انقلاب ناکام ہوگئی۔ ہر چہار جانب قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بڑے بڑے علماء، شرفا، صلحا و ادبا شہید کر دیے گئے۔ بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ ہزاروں بے گناہوں کو قید کر لیا گیا۔ آزردہ اس منظر کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی

واں کے اعمال سے دہلی کی بھی شامت آئی

روزِ موعود سے پہلے ہی قیامت آئی

کالی میرٹھ سے یہ کیا آئی کہ آفت آئی

گوش زدہ تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں دیکھا جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا

دوسری جگہ آزردہ لکھتے ہیں کہ:

روزِ وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے

سر ہے اور جوشِ جنوں، سنگ ہے اور چھاتی ہے

ٹکڑے ہوتا ہے جگر، جی ہی پہ بن جاتی ہے

مصطفیٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیوں نہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو

قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

غالب بھی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

”انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ شاگرد، کچھ معشوق، سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے! جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو۔ اس کو زیست کیوں نہ دشوار ہو۔ ہائے! اتنے یار مرے کہ جو اَب میں مروں گا تو کوئی میرا رونے والا بھی نہ ہوگا۔ اناللہ وانااللہ راجعون“(تفتہ ۱۸۵۸)

یہ جنگِ آزادی تقریباً دو سال تک چلتی رہی۔ ۱۸۸۹ تک آتے آتے انگریز حکومت نے تمام شورشوں پر قابو پالیا اور اپنے تمام حریفوں کو پامال کر کے جنگ کو ناکام بنا دیا۔

مفتی صدرالدین آزردہ، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور ان کے دیگر احباب بھی انگریزوں کے عتاب کا شکار ہوئے اور گرفتار کر لیے گئے۔ آزردہ کہتے ہیں کہ:

آ پھنسے بیڈھب الٰہی دیکھیے کیسے بنے

مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھیے کیسے بنے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزردہ انقلابی تحریک سے وابستہ ہونے کے باوجود سزائے موت کے مُرتکب کیوں نہیں ہوئے جب کہ فتویٰ جہاد پر ان کے بھی دستخط تھے۔ آزردہ ذی علم ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور منطق کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے دستخط کے نیچے بہت باریکی کے ساتھ ”کتبت بالحر“ کا لفظ لکھا جو اس زمانے میں ’کتبت بالخیر‘ لکھنے کا رواج تھا لیکن اس میں انہوں نے حرف ’ح‘ اور ’ی‘ پر نقطہ نہیں لگایا۔

علمائے وقت نے اسے 'بالخیر' پڑھا اور آزردہ نے عدالت میں پیشی کے دوران 'کتبت بالجبر' کا اعلان کیا۔ جس سے آزردہ اپنی جان بچا گئے لیکن وہیں یہ اعتراض بھی اٹھتا ہے کہ مفتی صدرالدین آزردہ جیسے شخص جھوٹ کا سہارا کیونکر لیں گے اس لیے علمائے وقت اور دیگر اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ آزردہ عدل و انصاف کے پیکر تھے۔ ان کی ذات پر شک کرنا اچھی بات نہیں البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ انگریزوں سے ساز باز ضرور رکھتے تھے۔ اسی ساز باز کے تحت مولوی ذکاؤاللہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> " ایک اور طریقہ بھی امیروں کے لوٹنے کا تھا۔ بعض ذی اختیار انگریز مجرموں کو سب طرح کے جرم سے بری ہونے کی اسناد دیتے، اور ان سے خاطر خواہ روپیہ لے لیتے، مشہور ہے کہ نواب حامد علی خاں، مفتی صدرالدین خاں آزردہ اور مکند لال مصرنے اس طرح زرِ کثیر دے کر اپنی جانیں بچائی تھیں "
> (تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۱۴)

اس طرح یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز بغاوت میں آزردہ کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ روزگار سے ہاتھ دھو ناپڑا۔ تمام جائیداد اور املاک جو انہوں نے تیس سالہ ملازمت میں کمایے تھے وہ بحق سرکار ضبط کرلی گئی۔ فتوی جہاد کے الزام میں کئی ماہ قید بامشقت زندگی گزارنے کے بعد جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بری ہوگئے۔

غالب ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ ان کے خطوط ۱۸۵۷ میں ہونے والے حالات کو بنفسِ نفیس بیان کرتے ہیں۔ جیل سے رہائی کے بعد آزردہ کے طرز زندگی کو غالب اپنے رفیق حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں کہ:

> " مولوی صدرالدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جاں بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائیداد ضبط، ناچار خستہ و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جائیداد واگزاشت کی۔ اب نصف جائیداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ آمدنی ان کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی۔ تیس چالیس روپے مہینہ کی آمدنی" (اردوئے معلی ص ۲۴۱)

مجموعی طور پر ہم مفتی صدرالدین آزردہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ایک برگزیدہ شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ وہ گوناگوں صفات کے علمبردار تھے۔ ایک ماہر معلم، علم دوست، عربی و فارسی کے اچھے انشاپرداز، عدل و انصاف کے پیمبر، قوم و ملت کے ہمدرد و غمگسار تھے۔ جہاں تک برطانوی حکومت کی ملازمت کی بات ہے تو وہ وقت اور حالات کے پیشِ نظر تھا جب کہ ان کی محبت اور حقیقی وفاداری سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے ساتھ تھی۔

دوسری جانب وہ معاصرینِ غالب میں دینی و دنیاوی علم وادب کے بڑے مائے ناز استاد تو تھے لیکن تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ البتہ چند معدودے کتاب کے علاوہ عربی و فارسی اور سرمایہ کلام اردو کافی اہم ہیں۔ جس میں ان کی غزلیں اور انقلاب اٹھارہ سو سٹّاون کے حالات 'شہر آشوب' کی شکل میں دستیاب ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

☆☆☆